QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

حدیث نبوی ﷺ کے بطور ماخذِ دین و تفسیر: معاصر افکار کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

HADITH AS A SOURCE OF RELIGION AND QURANIC INTERPRETATION:A CRITICAL AND ANALYTICAL STUDY OF CONTEMPORARY THOUGHTS

Maheen Rasheed
(Corresponding Author)
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, UOL, Lahore.
Dr. Hafiz Saifullah Sajid
Assistant Professor, Govt. Islamia Graduate College, Kasur.
Dr. Usman Abbas Rai
Lecturer, Department of Basic Sciences & Humanities (Islamic Studies), UET Lahore (Narowal Campus).
Siddiqua Aslam Qureshi
Visiting Lecturer Quran Translation, University of the Punjab, Lahore.

Abstract
The status of the Prophetic Hadith as an independent source of Islamic law and an essential source of Quranic exegesis has remained a fundamental issue in Islamic scholarship throughout history. In contemporary discourse, however, certain interpretive trends have re-examined the epistemological status of Hadith, the concept of Sunnah, the authority of solitary reports (Khabar e Wahid), and the relationship between the Quran, Sunnah, and Arabic language in understanding religion. This study critically examines these issues by focusing specifically on the intellectual approach of the Farahi school of thought and its prominent representatives, including Ameen Ahsan Islahi, and Javeeed Ahmad Ghamidi. It analyzes their views regarding the sources of religion, the definition of Sunnah, the authority of solitary reports in matters of religion and Quranic interpretation, the issue of stoning (Rajm), and the role of Quranic coherence (Nazm ul Quran) and classical Arabic in exegesis. These perspectives are then compared with the established position of the Quran, authentic Sunnah, the Companions, and the majority of Sunni scholars. The study concludes that while contemporary reinterpretations have contributed to modern academic discussions, restricting the authority of Hadith as a source of religion and Quranic exegesis raises significant methodological and doctrinal concerns and departs from the classical scholarly tradition.

***Keywords**: Hadith, Source of Religion, Source of Quranic Exegesis, Sunnah, Khabar e Wahid, Farahi, Ghamidi, Contemporary Islamic Thought.*

تمہید

قرآنِ مجید اور سنتِ رسول اللہ ﷺ اسلامی شریعت کے دو بنیادی مآخذ ہیں۔ امتِ مسلمہ کے اہلِ علم نے عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحیح احادیث، قرآنِ کریم کی تشریح، احکامِ شرعیہ کی توضیح اور دین کے عملی نظام کی اساس ہیں۔ اسی بنا پر محدثین، فقہاء، مفسرین اور اصولیین نے حدیث کی حجیت، اس کی اقسام اور دائرۂ استدلال پر مفصل علمی مباحث قائم کیے ہیں۔ دورِ جدید میں بعض اہلِ علم نے حدیث، سنت، خبرِ واحد، ماخذِ دین اور ماخذِ تفسیر سے متعلق روایتی موقف پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے بعض نئی تعبیرات پیش کی ہیں۔ ان میں فراہی مکتبِ فکر کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، جس کی فکری تشکیل میں مولانا حمید الدین فراہیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور بعد ازاں جاوید احمد غامدی صاحب کی آراء کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان اہلِ علم نے ماخذِ دین کی تعیین، سنت کے مفہوم، خبرِ واحد کی حجیت، نظمِ قرآن اور لغتِ عرب کے کردار کے حوالے سے ایسے نظریات پیش کیے ہیں جن پر علمی حلقوں میں وسیع بحث و مباحثہ ہوا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس مقالے کے عنوان میں استعمال ہونے والی اصطلاح "معاصر افکار" سے مراد تمام معاصر اسلامی فکری رجحانات نہیں، بلکہ صرف فراہی مکتبِ فکر اور اس کے نمایاں نمائندوں کی آراء ہیں۔ اس تحدید کا مقصد موضوع کو متعین رکھنا اور غیر متعلقہ مکاتبِ فکر کو اس بحث میں شامل کرنے سے اجتناب کرنا ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں ماخذِ دین، سنت، خبرِ واحد، ماخذِ تفسیر، نظمِ قرآن، لغتِ عرب اور رجم جیسے بنیادی مباحث کے حوالے سے اس مکتبِ فکر کے نظریات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا

ہے، اور ان کا تقابل قرآنِ کریم، سنتِ نبوی ﷺ، آثارِ صحابہ اور جمہورِ اہلِ سنت کے مسلمہ اصولوں سے کیا گیا ہے، تاکہ اس باب میں ایک متوازن، مستند اور علمی نتیجہ سامنے آسکے۔

مولانا حمید الدین فراہی نے قرآن مجید کی تفسیر میں جن اصولوں کو اپنایا، اور اس حوالے سے احادیث مبارکہ کو جس مقام پر رکھا، وہ ان کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی سے ہوتا ہوا ان کے شاگرد جناب جاوید احمد غامدی تک پہنچا، اور غامدی صاحب نے انہی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کو سمجھنے کا راستہ اختیار کیا۔ بلکہ مکتبِ فراہی میں قرآن فہمی کے جن اصولوں کی بنیاد رکھی گئی، غامدی صاحب نے ان کو مزید نکھار کر، وسعت کے ساتھ مدلل انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا، اور خود بھی انہی اصولوں کے مطابق دین کو سمجھنے سمجھانے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ مولانا فراہی صاحب سے پہلے برصغیر میں حدیث مبارکہ کی استنادی حیثیت کے حوالے سے کچھ نئے نظریات سرسید احمد خان اور غلام احمد پرویز وغیرہ حضرات کی جانب سے پیش کیے گئے تھے، چنانچہ اہل کی طرف سے حدیث کی استنادی حیثیت پر زیادہ کام ہوا۔ البتہ مولانا حمید الدین فراہی نے حدیث نبوی ﷺ کی تشریعی حیثیت پر جمہور اہل علم سے الگ اصول اپنائے، انہی کے مطابق غامدی صاحب عمل پیرا ہیں، ان دونوں باتوں کے سلسلے میں غامدی صاحب کے شاگردِ رشید مولانا عمار خان ناصر صاحب کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں: "کلاسیکی تناظر میں بنیادی نکتۂ نزاع سنت کی تشریعی حیثیت کو تسلیم کرنا یا نہ کرنا نہیں تھا، بلکہ احادیث کے ثبوت کے، قرآن کے مقابلے میں، ظنی ہونے کے پہلو سے بعض ایسی احادیث زیر بحث تھیں جو قرآن کے ظاہری عموم سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف، دور جدید میں بعض فکری حلقوں کی طرف سے جو بنیادی سوال اٹھایا گیا، وہ فی نفسہٖ سنت کی تشریعی حیثیت سے متعلق ہے، جب کہ احادیث کے ظنی الثبوت ہونے اور ذخیرۂ حدیث کے تاریخی استناد کے علاوہ احادیث میں، ظاہر قرآن میں تخصیص وزیادت کی مثالوں کو سنت کی تشریعی حیثیت کی نفی کے معاون اور موید دلائل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ گذشتہ ڈیڑھ صدی کے دوران میں عالم اسلام کے طول وعرض میں یہ بحث اہم ترین اعتقادی واصولی سوال کے طور پر اہل علم کو اپنی طرف متوجہ کیے ہوئے ہے اور بلا مبالغہ سیکڑوں اہل علم نے ان سوالات کو اپنے اپنے انداز میں موضوع بحث بنایا ہے۔ تاہم اس بحث میں ہمارے پیش نظر اس خاص علمی رجحان کا ایک جائزہ پیش کرنا ہے جس کی اصولی ابتدا برصغیر کے جلیل القدر عالم اور مفسر مولانا حمید الدین فراہی کے ہاں ہوئی اور جو کئی اہم اضافوں کے ساتھ اپنی تفصیلی شکل میں جاوید احمد غامدی صاحب کی تحقیقات میں سامنے آیا ہے۔"[1] اس تحریر سے ہمارے سامنے دو باتیں آگئیں۔ پہلی یہ کہ فراہی اور غامدی مکتبِ فکر میں حدیث مبارکہ کی استنادی حیثیت کی بجائے، تشریعی حیثیت موضوعِ تحقیق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دونوں حضرات کی فکر ایک ہی ہے، فراہی صاحب نے جو فکر اختیار کی، غامدی صاحب کے افکار میں اسی فکر کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ اس لیے ہم دونوں حضرات کی فکر پر اکٹھے ہی بحث کریں گے۔

معاصر فکر کا تصورِ ماخذِ دین

فراہی صاحب کا نقطہ نظر یہ تھا کہ قرآن مجید کے الفاظ کی دلالات اپنی معانی پر قطعی اور غیر محتمل ہیں جو ایک ہی متعین مراد کی نشان دہی کرتی ہیں، اس لیے انہوں نے قرآن مجید کے الفاظ واسالیب کی دلالت اور مختلف احتمالات میں سے کسی احتمال کی تعیین کے سوال سے بطور خاص اعتنا کیا اور یہ اصول اپنایا کہ فہمِ قرآن کے اس عمل میں قرآن کے اپنے الفاظ، اسالیب، سیاق وسباق، عرف اور نظم کلام فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں، اور نظمِ قرآن کے فہم کے حوالے سے دوسرے ذرائع یعنی احادیث مبارکہ وغیرہ کو ثانوی حیثیت حاصل ہے، لہذا قرآن مجید کو خود اسی کے سیاق وسباق سے سمجھیں گے، احادیث کو بطورِ تائید پیش کرسکتے ہیں۔ چنانچہ عمار خان ناصر تحریر فرماتے ہیں: "اس پس منظر میں مولانا فراہی نے قرآن مجید کے الفاظ واسالیب کی دلالت اور مختلف احتمالات میں سے کسی احتمال کی تعیین کے سوال سے بطور خاص اعتنا کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ قرآن کے الفاظ اور تعبیرات قطعی الدلالۃ ہیں جو ایک ہی متعین مراد کی نشان دہی کرتے ہیں اور یہ کہ فہم مدعا کے اس عمل میں قرآن کے اپنے الفاظ، اسالیب، سیاق وسباق، عرف اور نظم کلام فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ اس بنیادی موقف کی روشنی میں مولانا فراہی نے تاویل وتفسیر کے تمام معاون ذرائع، مثلاً احادیث وآثار اور تاریخی روایات پر قرآن کے اپنے الفاظ کی حاکمیت کو ہر حال میں قائم رکھنے کے اصول پر اصرار کیا اور یہ قرار دیا کہ تفسیر وحدیث کے ذخیرے میں موجود ایسی روایات جو قرآن مجید کی آیات کے مطالب یا ان کے پس منظر پر مختلف حوالوں سے روشنی ڈالتی ہیں، وہ تفسیر کے ماخذ کے طور پر بنیادی نہیں، بلکہ ثانوی درجہ

[1] عمار خان ناصر، "قرآن وسنت کا باہمی تعلق"، **ماہنامہ الشریعہ**، گوجرانوالہ، مارچ2020ء، ج31، ش3، ص40

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

رکھتی ہیں اور انھیں قبول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود قرآن کے داخلی نظام اور متن کی اندرونی دلالتوں کی حاکمیت ان پر قائم رکھی جائے۔ مولانا نے اپنے فہم کے مطابق اس معیار پر پورا نہ اترنے والی متعدد تفسیری روایات کو جو اس سے پہلے عام طور پر مستند سمجھی جاتی تھیں، قبول کرنے سے انکار کیا اور ان پر تنقید کی۔"[1]

مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات سامنے آئی کہ مولانا فراہی کے نزدیک قرآن کو قرآن کی مدد سے خود ہی سمجھا جائے گا، اس سے متعلقہ احادیث کو بطور تائید تو پیش کیا جاسکتا ہے، لیکن کسی آیت کی فیصلہ کن تعبیر و تشریح میں اس کو کوئی دخل نہیں ہوگا، بلکہ جو روایات ان کی اس فہم کے مطابق نہ ہوں ان کو رد کر دیا جائے گا۔

معاصر تعبیرِ ماخذِ دین

غامدی صاحب کے طرزِ استدلال اور نقطہ نظر کی بنیاد کا کا کہ بھی سامنے آجانا چاہیے، تا کہ آئندہ پیش کیے جانے والے نکات، اصول اور استدلالات کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ ذیل میں غامدی صاحب کی سب سے اہم تصنیف "میزان" سے ان کی فکر کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے جو ان کے شاگرد جناب عمار خان ناصر نے اخذ کیا ہے:" غامدی صاحب کی کتاب ''میزان'' میں اس حوالے سے جو اصولی نقطۂ نظر پیش کیا گیا اور کتاب کے جملہ مباحث میں اس کے تحت کتاب وسنت کے باہمی تعلق کو تفصیلاً واضح کیا گیا ہے، اس کے بنیادی اور اصولی نکات حسب ذیل ہیں: 1۔ دین کا تاریخی ثبوت کے لحاظ سے قطعیت سے متصف ہونا ضروری ہے، اس لیے دین وہی ہے جو مسلمانوں کے اجماع و تواتر سے ثابت ہو۔ اس کے ایک لازمی نتیجے کے طور پر دین کے ماخذ کو بھی قطعی ہونا چاہیے۔ چنانچہ ماخذ دین کی حیثیت صرف قرآن اور متواتر سنت کو حاصل ہے، جب کہ اخبار آحاد کا کردار قرآن وسنت میں محصور دین کی تفہیم و تبیین تک محدود ہے۔، 2۔ سنت اپنے تاریخی وزمانی تحقق کے لحاظ سے قرآن پر متفرع نہیں ہے، بلکہ اس سے مقدم ہے۔، 3۔ سنت اپنے تشریعی کردار کے لحاظ سے قرآن کی فرع نہیں ہے، بلکہ قرآن کے متوازی ایک مستقل بالذات ماخذ ہے۔، 4۔ اخبار آحاد دین کے کسی مستقل بالذات حکم کو بیان نہیں کرتے، اس لیے انھیں قرآن، سنت یا عقل عام میں ان کی اصل اور اساس سے متعلق کرنا اور اسی کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے۔ اس سے مختلف نوعیت رکھنے والا کوئی حکم اخبار آحاد میں نہ اصولاً پایا جاسکتا ہے اور نہ واقعتاً موجود ہے۔، 5۔ اخبار آحاد میں قرآن کے بظاہر محتمل احکام کی توضیح یا ان پر زیادت یا ان کی تخصیص کی جتنی بھی مثالیں ملتی ہیں، ان سب کی بنیاد لفظی یا عقلی قرائن کی صورت میں خود قرآن مجید میں موجود ہے اور پوری طرح واضح کی جا سکتی ہے۔، 6۔ جو اخبار آحاد قرآن مجید یا سنت ثابتہ یا عقل عام کے ساتھ متصادم ہوں، وہ قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔"[2]

مذکورہ بالا تحریر میں غامدی صاحب کی سب سے اہم کتاب "میزان" سے ہی ان کے افکار کے بنیاد اصولوں کی تلخیص کر دی گئی ہے تا کہ موضوع کی تعیین ہو جائے اور اس پر آسانی سے غور و فکر کیا جاسکے۔ آئندہ سطور میں انہی اصولوں پر قرآن وسنت اور جمہور اسلاف اہل سنت کے اقوال کی روشنی میں بحث کی جائے گی۔

ماخذ دین کی قطعیت

غامدی صاحب کے نزدیک دین ایک قطعی چیز ہے لہذا اس کا اثبات بھی قطعی طریقہ پر ہونا لازمی ہے، لہذا جو چیز قطعی طور پر ثابت نہ ہو وہ دین نہیں ہو گی، ملاحظہ فرمائیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی و عملی تواتر سے منتقل ہوا اور دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے: 1۔ قرآن مجید اور 2۔ سنت۔ دین لاریب، اِنہی دو صورتوں میں ہے۔ اِن کے علاوہ کوئی چیز دین ہے، نہ اُسے دین قرار دیا جاسکتا ہے۔[3]

تعبیرِ دین کا تصور

یہاں بنیادی طور پر ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ دین کی حقیقت کیا ہے؟ غامدی صاحب کے نزدیک دین کی حقیقت کچھ اس طرح سے بیان کی جاتی ہے:" غامدی صاحب کے نقطۂ نظر میں ''دین'' دراصل شارع کی طرف سے مقرر کیے گئے ان مستقل بالذات احکام سے عبارت ہے جو کسی دوسرے حکم کی فرع یا تفصیل پر مبنی نہیں ہیں۔ ایسے تمام احکام ان کے نزدیک تاریخی طور پر تواتر سے ثابت اور قرآن اور سنت جیسے قطعی الثبوت ماخذ میں موجود ہیں۔"[4] مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے

[1] عمار خان ناصر، " قرآن وسنت کا باہمی تعلق"، **ماہنامہ الشریعہ**، گوجرانوالہ، مارچ2020ء، ج31، ش3، ص41-42

[2] عمار خان ناصر، " قرآن وسنت کا باہمی تعلق"، **ماہنامہ الشریعہ**، گوجرانوالہ، مارچ2020ء، ج31، ش3، ص44

[3] جاوید احمد غامدی، **میزان** (لاہور، المورد)، ص15، 13

[4] عمار خان ناصر، " قرآن وسنت کا باہمی تعلق"، **ماہنامہ الشریعہ**، گوجرانوالہ، مارچ2020ء، ج31، ش3، ص45

نزدیک قطعی اور اصولی احکام کا نام دین ہے، لہذا اس کا ماخذ بھی قطعی ہو گا، ظنی دلائل سے دین کا کوئی حکم ثابت نہیں ہو گا۔ لہذا قرآن مجید اور سنت متواترہ چونکہ قطعی دلائل ہیں لہذا ان سے دین ثابت ہو گا جبکہ اخبار آحاد اور آثارِ صحابہ چونکہ ظنی ہیں، لہذا ان سے دین کا کوئی حکم بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

ماخذِ دین کی قطعیت: قرآنی وحدیثی جائزہ

قرآن مجید میں دین کسے کہا گیا ہے؟ سورہ آل عمران میں ارشاد ہے:"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ"[1]۔ بیشک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:"وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚوَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ"جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ان دونوں آیات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے، اور اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین اللہ تعالی کو قابل قبول نہیں ہے۔ اب آنحضرت ﷺ کی حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں جس میں اسلام اور دین دونوں کی وضاحت فرمادی گئی ہے:"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وكُتُبِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّکَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاکَ قَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنْ السَّائِلِ وَسَأُخْبِرُکَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتْ الْأَمَةُ رَبَّهَا وَإِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْإِبِلِ الْبُهْمُ فِي الْبُنْيَانِ فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ الْآيَةَ ثُمَّ أَدْبَرَ فَقَالَ رُدُّوهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ جَعَلَ ذَلِک كُلَّهُ مِنْ الْإِيمَانِ"[2]ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ ایک دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، یکایک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ایک شخص آیا اور اس نے (آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے) پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور (آخرت میں) اللہ کے ملنے پر اور اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور قیامت کا یقین کرو، (پھر) اس شخص نے کہا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور نماز پڑھو اور زکوۃ مفروضہ ادا کیا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، اس شخص نے کہا کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت (اس خشوع اور خلوص سے) کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر (یہ حالت) نہ (حاصل ہو) کہ تم اس کو دیکھتے ہو تو خیال رہے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے (پھر) اس شخص نے کہا کہ قیامت کب ہو گی؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جس سے یہ بات پوچھی جارہی ہے (وہ خود) سائل سے زیادہ (اس کو) نہیں جانتا (بلکہ ناواقفی میں دونوں برابر ہیں) اور میں تم کو اس کی علامتیں بتائے دیتا ہوں، جب لونڈی اپنے سردار کو جنے اور جب سیاہ اونٹوں کو چرانے والے عمارتوں میں رہنے لگیں (تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب ہے اور قیامت کا علم تو) ان پانچ چیزوں میں ہے کہ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَه عِلْمُ السَّاعَةِ)[3] پوری آیت تلاوت فرمائی، اس کے بعد وہ شخص چلا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (صحابہ سے) فرمایا کہ اس کو میرے پاس واپس لاؤ (چنانچہ) لوگ اس کو واپس لانے کو گئے، مگر وہاں کسی کو نہ دیکھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہ جبرائیل تھے، لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم سکھانے آئے تھے، ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سب باتوں کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔

غور کیا جائے تو اس حدیث مبارکہ میں دونوں باتوں کا حل موجود ہے کہ اسلام اور دین کیا ہیں؟ چنانچہ اسلام میں ایمانیات اور عبادات دونوں کو شامل کیا ہے، آخر میں یہ فرمایا کہ یہ جبریل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ ہم نے پہلے قرآن مجید کی آیات سے یہ بات ثابت کی کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔ اور اس حدیث مبارکہ میں اسلام کا اطلاق ایمانیات اور عبادات دونوں پر کیا گیا ہے۔ اور عبادات میں بہت سے فروعی مسائل بھی ہیں، لہذا وہ بھی اسلام اور دین کا حصہ ہیں۔ دوسری بات یہ کہ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ اور جبریل علیہ السلام نے ایمانیات، عبادات، احسان، علاماتِ قیامت اور مغیبات کا ذکر فرمایا ہے۔ معلوم ہوا یہ تمام موضوعات دین کا حصہ ہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دین کا تعلق صرف قطعیات سے نہیں بلکہ فروعات اور ظنیات سے بھی ہے۔ اور اس طرح کے بہت سے احکام ظنی دلائل سے ہی ثابت ہوں گے۔ اور ان میں بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن کی طرف قرآن مجید میں واضح اشارہ

---

[1] سورہ آل عمران، 19:3

[2] محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب الایمان، رقم 50

[3] لقمان۔ 34:31

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

بھی نہیں فرمایا گیا، لیکن پھر بھی وہ دین کا حصہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ دین کے ہر حکم کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس بات سے کسی کو اختلاف نہیں کہ دین بنیادی احکام غیر مبدل اور قطعی ہے، اور لازمی طور پر ان کے اثبات کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہو گی۔ جیسے ایمانیات میں سے بڑے عقائد اور ارکانِ اسلام وغیرہ۔ لیکن دین کے بہت سے فروعی احکام کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت نہیں۔

حدیث بطور ماخذِ دین

خود آنحضرت ﷺ کے فرامین کے مطابق بھی بہت سے احکام جن کا تعلق حلت و حرمت سے ہے وہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:"عَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْأَهْلِيِّ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنْ السَّبُعِ وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرُوهُ فَإِنْ لَمْ يَقْرُوهُ فَلَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ".[1]"حضرت مقدام (رض) بن معدیکرب حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ آگاہ رہو بیشک مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل بھی دی گئی ہے خبر دار قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھا کہے گا کہ تمہارے ذمہ قرآن کو پکڑنا لازم ہے پس تم اس میں جو حلال پاؤ تو اسے حلال سمجھو اور جو اس میں تم حرام پاؤ تو اسے حرام سمجھو خبر دار تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ ہی ہر وہ جانور درندوں میں سے چیرنے پھاڑنے والے ہوں اور نہ ہی کسی ذمی کی گری پڑی چیز جائز ہے الاّ یہ کہ اس کا مالک اس سے بے نیاز ہو اور جو شخص کسی قوم کا مہمان بن کر اترے تو اس قوم والوں پر اس کی میزبانی کرنا ضروری ہے اور اگر وہ میزبانی نہیں کریں گے تو مہمان کے لیے اپنی میزبانی کے بقدر ان سے جبراً لینا جائز ہے (یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا اب نہیں ہے)"۔

عَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا هَلْ عَسَى رَجُلٌ يَبْلُغُهُ الْحَدِيثُ عَنِّي وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى أَرِيكَتِهِ فَيَقُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ فَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَلَالًا اسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَرَامًا حَرَّمْنَاهُ وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا حَرَّمَ اللَّهُ"[2]۔ حضرت مقدام بن معدیکرب (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جان لو کہ عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے کہ کسی شخص کو میری کوئی حدیث پہنچے گی اور وہ تکیہ لگائے ہوئے اپنی مسند پر بیٹھا ہوا کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب (کافی) ہے۔ پس ہم جو کچھ اس میں حلال پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جو حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے جبکہ (حقیقت یہ ہے کہ) جسے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام کیا وہ بھی اسی چیز کی طرح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

الْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِي كَرِبَ يَقُولُ حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ أَشْيَاءَ ثُمَّ قَالَ يُوشِكُ أَحَدُكُمْ أَنْ يُكَذِّبَنِي وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى أَرِيكَتِهِ يُحَدَّثُ بِحَدِيثِي فَيَقُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ فَمَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَلَالٍ اسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ أَلَا وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ"[3] حضرت مقدام بن معدیکرب (رض) سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کے دن کئی چیزوں کو حرام قرار دیا پھر ارشاد فرمایا عنقریب ایک آدمی آئے گا جو اپنے تخت پر بیٹھ کر یہ کہے گا کہ قرآن کریم کو اپنے اوپر لازم کرلو، صرف اس میں جو چیز تمہیں حلال ملے، اسے حلال سمجھو اور جو حرام ملے، اسے حرام سمجھو، یاد رکھو! جس طرح اللہ نے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ سے بھی دین کے بہت سے احکام کا علم ہمیں دیا گیا ہے، لہذا یہ کہنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ دین کا اثبات یا تو قرآن مجید سے ہو گا یا سنتِ متواترہ سے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی تمام روایات جو ہم تک صحت کے معیار پر پورا اترتی ہوئی پہنچیں گی وہ سب کی سب دین کی ماخذ ہیں، خواہ فنی اعتبار سے وہ قطعی الثبوت ہوں یا ظنی الثبوت ہوں۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ مختلف قسم کے دلائل سے ثابت ہونے والے تمام احکام کا درجہ ایک جیسا نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے دین کے احکام کے مختلف درجات مقرر کیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرض، واجب، مندوب، مباح،

---

[1] ابو داؤد سلیمان، **سنن ابی داؤد**، کتاب السنۃ، باب فی لزورم السنۃ، رقم 4604

[2] ابو عیسی محمد، **جامع ترمذی**، بَابُ مَا نُهِيَ عَنْهُ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ورقم 2664

[3] احمد ابن حنبل، **مسند احمد**، مسند مقدام بن معدیکرب، رقم 17193

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی اور حرام، نیز ان کے آگے ذیلی اقسام، فقہاء کرام کی اسی کاوش کا نتیجہ ہیں کہ مختلف دلائل سے ثابت ہونے والے احکام کے نام اور حکم الگ الگ ہیں۔

قرآن وسنت: مستقل ماخذ دین

قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ بھی دین کا مستقل ماخذ ہیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا درست نہیں، اسی لیے آپ ﷺ نے دونوں کو تھامے رکھنے کا حکم فرمایا ہے: مَالِكٌ؛ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: «تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ"[1] ترجمہ: امام مالک نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک ان دونوں کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ۔

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں حبیب الرحمن اعظمی لکھتے ہیں: "یہ حدیث پاک صاف بتارہی ہے کہ "کلام اللہ" اور "حدیث رسول اللہ" دونوں توَام (جڑواں) ہیں، کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہوں گے، اسلامی شرائع واحکام کی تکمیل ان دونوں کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے، ان دونوں کو دلیلِ راہ بنائے بغیر منزلِ مقصود تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ حدیث پاک ہی سے قرآنِ حکیم کے مقاصد کی تفصیل اوراس کے احکام کی تکمیل ہوتی ہے، درحقیقت حدیث، اللہ کے کلام قرآن محکم کا بیان وشرح ہے، تو ایک کو دوسرے سے علیحدہ کیسے کیا جاسکتا ہے!!! قرآن وحدیث کا یہ ربط باہمی صاف بتارہا ہے کہ دین اسلام میں حدیث رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت تشریعی اور حجت ودلیل ہی کی ہے؛ کیونکہ جب حدیث پاک کتاب الٰہی کا بیان اور اس کی شرح ہے، اور بلاریب قرآن کی حیثیت تشریعی ہے، تو بغیر کسی تردد کے اس کے بیان وشرح کی حیثیت بھی تشریعی ہی ہوگی، یہی عقیدہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے لے کر آج تک امت کا ہے۔"[2]

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے امت کو ہمیشہ کے لیے یہ وصیت کی گئی ہے کہ ہمیشہ ان دونوں چیزوں کو لازم پکڑے رہو، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑو، ورنہ گمراہی کا شکار ہو جاؤ گے۔ عن زيد بن ثابت، قال: سمعتُ رسولَ الله -صلَّى الله عليه وسلم- يقول: "نَضَّرَ الله امرأً سَمِعَ منَّا حديثاً فحفِظَه حتيِ يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حامِلِ فقهٍ إلى مَن هو أفقَهُ منه، ورُبَّ حاملِ فقهٍ ليس بفقيهٍ" زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی سرسبز وشاداب رکھے اس آدمی کو جو ہم سے حدیث سنے، اس کو محفوظ رکھے یہاں تک کہ آگے پہنچادے، اس لیے کہ بہت سے فقہ کے حامل اس تک پہنچاتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہیں، اور بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے۔

اس حدیث مبارکہ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فلما نَدَب رسول الله إلى استماع مقالته وحفظِها وأدائها امرأً يؤديها، والامْرُءُ واحدٌ: دلَّ على أنه لا يأمر أن يُؤدَّى عنه إلا ما تقوم به الحجة على من أدى إليه؛ لأنه إنما يُؤدَّى عنه حلال وحرام يُجتَنَب، وحدٌّ يُقام، ومالٌ يؤخذ ويعطى، ونصيحة في دينٍ ودنيا. ودل على أنه قد حمل الفقهَ غيرُ فقيه، يكون له حافظاً، ولا يكون فيه فقيهاً.[3]

پس جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وحدیث کو سننے، اسے محفوظ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بتارہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم اسی صورت میں دیں گے کہ جس کو یہ پہنچائی گئی ہے، اس پر اس سے حجت قائم ہو رہی ہے؛ کیونکہ آپ کی جانب سے جو بات پہنچائی گئی ہے (وہ مشتمل ہوگی) حلال پر جو استعمال کیا جائے گا، یا حرام پر جس سے بچا جائے گا، یا حد وممانعت پر کہ ٹھہرا جائے گا، یا مال پر جو لیا دیا جائے گا یا دین ودنیا کی خیر خواہی پر، اور آپ کا یہ فرمان یہ (بھی) دلالت کر رہا ہے کہ کبھی فقہ کا حامل غیر فقیہ ہوتا ہے، اس کا حافظ تو ہوتا ہے، اس میں فقیہ نہیں ہوتا۔

سنت کا جدید تصور

[1] امام مالک بن انس، **موطا امام مالک**، باب النھی عن القول بالقدر، رقم 3338

[2] حبیب الرحمن اعظمی، حدیث شریف کی تشریعی حیثیت، **ماہنامہ دارالعلوم**، دیوبند، ج96، ش7

[3] محمد بن ادریس الشافعی، **الرسالۃ** (المکتبۃ الشاملۃ) ج1، ص401

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

غامدی مکتب فکر میں حدیث اور سنت میں کافی زیادہ فرق کیا جاتا ہے، اور سنت کی تعبیر بھی جمہور اہل السنۃ سے بالکل مختلف ہے، انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:"سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی اُسی کا حصہ ہے "[1]

غامدی صاحب کی اس اصطلاح کے مطابق سنت کی ابتداء آنحضرت ﷺ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوگی، لہذا آنحضرت ﷺ کی شروع کی ہوئی کوئی چیز سنت نہیں ہوگی، یہ الگ بات ہے کہ ان کے نزدیک یہ دین کا حصہ ضرور ہو سکتی ہے۔ یہاں پر غامدی صاحب کی بات میں کچھ تضاد سا نظر آرہا ہے، کیونکہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ دین کا کوئی حکم قرآن یا سنت (سنت سے ان کی مراد ابراہیمی ہے) کے علاوہ سے ثابت نہیں ہو سکتا، جبکہ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دین میں مستقل بالذات احکام کا اضافہ بھی کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:"سنت کے ذریعے سے جو دین ملا ہے، اُس کا ایک بڑا حصہ دین ابراہیمی کی تجدید واصلاح پر مشتمل ہے۔ تمام محققین یہی مانتے ہیں۔ تاہم اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس میں محض جزوی اضافے کیے ہیں۔ ہر گز نہیں، آپ نے اِس میں مستقل بالذات احکام کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اِس لیے یہ الزام بالکل لغو ہے کہ پہلے سے موجود اور متعارف چیزوں سے ہٹ کر کوئی نیا حکم دینا یا دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا میرے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کے دائرۂ کار میں شامل ہی نہیں ہے۔"[2] یہاں فرمارہے ہیں آپ ﷺ نے دین میں مستقل بالذات احکام کا اضافہ کیا ہے، اور ان کا اصولی موقف یہ ہے کہ دین کا حکم قرآن وسنت کے علاوہ سے ثابت نہیں ہوتا، جبکہ آپ ﷺ کا شروع کیا ہوا کام سنت بھی نہیں ہے؟ کم از کم میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ واللہ اعلم

جمہور کے نزدیک سنت کا مفہوم

جمہور اہل سنت کے نزدیک سنت کی مذکورہ تعبیر درست نہیں، بلکہ آنحضرت ﷺ نے بھی مستقل سنن جاری فرمائیں ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف اہل سنت ان کو سنت ہی سے تعبیر کرتے آئے ہیں، حالانکہ اسلام سے پہلے نہ تو وہ تواتر عملی سے ثابت ہیں اور نہ ہی ان کا تذکرہ لوگوں کے قول وفعل میں ملتا ہے۔ سنت کی تعریف کے بعد اس قسم کی مثالیں احادیث سے پیش کی جائیں گی۔ ہم یہاں سنت کی وہ سب تعریفات نقل کریں گے جو فقہاء، محدثین اور اصولین کے نزدیک ہیں، اس لیے کہ محدثین اور اصولیین فنی اعتبار سے یہ اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جبکہ فقہاء عملی احکام سے بحث کرتے ہیں، لہذا تمام تعریفات سامنے آجانی چاہییں:

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

1۔ والمراد "بالكتاب" القرآن المتعبد بتلاوته، و"بالسنة" ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم من أقواله وأفعاله وتقريره وما هَمَّ بفعله.[3]

"الکتاب" سے مراد قرآن ہے جس کی تلاوت کو عبادت گذاری ٹھہرایا گیا ہے، اور "السنۃ" سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، افعال، تقریر اور وہ چیزیں ہیں جن کے کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد وارادہ فرمایا۔

2۔ علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی بعینہ انہی الفاظ میں سنت کی تعریف ذکر کی ہے۔[4]

3۔ محقق ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے اصول فقہ میں اپنی مشہور و کثیر الفائدہ تصنیف "التحریر" میں سنت کی تعریف یہ کی ہے:"وفي الاصول قوله عليه السلام وفعله و تقريره وفي فقه الحنفية: ما واظب على فعله مع ترك بلا عذر ليلزم كونه بلا وجوب، وما لم يواظبه مندوب ومستحب" سنت اصول فقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں، اور فقہ حنفی میں جس فعل پر آپ نے مواظبت فرمائی ہے بغیر عذر کے کبھی کبھار ترک کے ساتھ (ترک بلا عذر کی قید اس لئے ہے) تاکہ لازم ہو جائے کہ اس فعل پر ہمیشگی بطور وجوب کے نہیں تھی (کیونکہ بلا عذر ترکِ فعل کی واجب میں رخصت واجازت نہیں)۔[5]

---

[1] جاوید احمد غامدی، **میزان**، ص14

[2] عمار خان ناصر، "قرآن وسنت کا باہمی تعلق"، **ماہنامہ الشریعہ**، گوجرانوالہ، مارچ2020ء، ج31، ش3، ص49

[3] ابن حجر عسقلانی، **فتح الباری** (المكتبة الشاملة)، ج13، ص245

[4] بدر الدین عینی، **عمدۃ القاری** (المكتبة الشاملة)، ج:25، ص:23

[5] حبیب الرحمن اعظمی، حجیت حدیث وسنت، **ماہنامہ دار العلوم**، دیوبند، ج94، ش8

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

ان تمام تعریفات کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ غامدی صاحب کی تعریفِ سنت ان میں سے کسی سے بھی مطابقت نہیں کرتی، انہوں نے تمام اہل سنت سے الگ اصطلاح مقرر کرلی ہے۔ جبکہ احادیث مبارکہ اور اقوالِ صحابہ بھی جمہور کے معنی ہی کے مؤید ہیں۔

چند مثالیں احادیث سے ملاحظہ فرمائیں:عَنْ الْبَرَاءِ ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: "إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ مِنْ يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا"[1] براء(رض)روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جس سے ہم آج کے دن ابتدا کریں، وہ یہ کہ ہم نماز پڑھیں، پھر گھر واپس ہوں، پھر قربانی کریں اور جس نے اس طرح کیا تو اس نے میری سنت کو پالیا۔

أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ الطَّوِيلُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا، فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ ؟ قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا، فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: "أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي"[2]انس بن مالک (رض) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر میں تین آدمی آپ کی عبادت کا حال پوچھنے آئے، جب ان سے بیان کیا گیا تو انھوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عبادت کو بہت کم خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برابری کس طرح کرسکتے ہیں، آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہوگئے ہیں، ایک نے کہا میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، تیسرے نے کہا میں نکاح نہیں کروں گا اور عورت سے ہمیشہ الگ رہوں گا، اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے یوں یوں کہا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے تمہاری بہ نسبت بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف کھانے والا ہوں، پھر روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور ساتھ ساتھ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یاد رکھو جو میری سنت سے روگردانی کرے گا، وہ میرے طریقے پر نہیں۔

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ، ثُمَّ وَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ. فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ؟ فَأَوْصِنَا. فَقَالَ: «أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي، فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسَنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْمُحْدَثَاتِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ» وقالَ أَبُو عَاصِمٍ مَرَّةً: «وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» [3]عرباض نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک روز ہمیں نماز فجر پڑھائی پھر ہمیں ایک بلیغ اور نصیحت بھرا وعظ فرمایا کہ جسے سن کر آنکھیں بہنے لگے اور قلوب اس سے ڈر گئے تو ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گویا کہ یہ رخصت کرنے والے کی نصیحت ہے۔ تو آپ ہمارے لیے کیا مقرر فرماتے ہیں فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور تقوی کی وصیت کرتا ہوں اور سننے کی اور ماننے کی اگرچہ ایک حبشی غلام تمہارا امیر ہو پس جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو عنقریب وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین میں جو ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو پکڑے رہو اور اسے نواجذ (ڈاڑھوں) سے محفوظ پکڑ کر رکھو اور دین میں نئے امور نکالنے سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: أَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَارِنَا هَذِهِ، فَاسْتَسْقَى، فَحَلَبْنَا لَهُ شَاةً لَنَا، ثُمَّ شُبْتُهُ مِنْ مَاءِ بِئْرِنَا هَذِهِ، فَأَعْطَيْتُهُ، وَأَبُو بَكْرٍ عَنْ يَسَارِهِ، وَعُمَرُ تُجَاهَهُ، وَأَعْرَابِيٌّ عَنْ يَمِينِهِ، فَلَمَّا فَرَغَ، قَالَ عُمَرُ: هَذَا أَبُو بَكْرٍ، فَأَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ فَضْلَهُ، ثُمَّ قَالَ: "الْأَيْمَنُونَ الْأَيْمَنُونَ، أَلَا فَيَمِّنُوا". قَالَ أَنَسٌ: فَهِيَ سُنَّةٌ، فَهِيَ سُنَّةٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ[4]عبد اللہ بن عبد الرحمن حضرت انس (رض) سے

[1] محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب الجمعہ، بَابُ سُنَّةِ العِيدَيْنِ لِأَهْلِ الإِسْلاَمِ، رقم 951

[2] ایضاً، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم 5063

[3] عبد الرحمن دارمی، **سنن دارمی**، باب اتباع السنۃ، رقم 96

[4] بخاری، **صحیح بخاری**، کتاب الھبۃ، باب من استسقی، رقم 2571

روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے گھر میں تشریف لائے اور پانی مانگا تو ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ایک بکری کا دودھ دوہا پھر اس کو اپنے اس کنویں کے پانی میں ملایا اور میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیا ابو بکر (رض) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بائیں ہاتھ کی طرف اور عمر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے تھے ایک اعرابی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پی کر فارغ ہوئے تو حضرت عمر (رض) نے عرض کیا یہ ابو بکر (رض) ہیں ان کو دے دیجئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس اعرابی کو اپنا بچا ہوا دیا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا دائیں طرف والے دائیں طرف والے ہیں خوب سن لو کہ دائیں طرف والے کو دو انس نے کہا اس لیے کہ یہی سنت ہے تین بار آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ ، "رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ، قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ: مَا صَلَّيْتَ، قَالَ: وَأَحْسِبُهُ، قَالَ: لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ". حذیفہ (رض) روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنا رکوع اور سجدہ مکمل نہ کرتا تھا، جب وہ اپنی نماز ختم کر چکا، تو اس سے حذیفہ نے کہا تو نے نماز نہیں پڑھی (مسروق کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ) اگر تو مر جائے گا، تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طریقہ پر نہ مرے گا۔

عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَتَى عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا قَالَ: «ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»، [1] زیاد بن جبیر کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس آئے جو اپنا اونٹ بٹھا کر نحر کر رہا تھا، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے کھڑا کر اور باندھ دے، پھر نحر کر کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

ان تمام روایات سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام سنت کو آنحضرت ﷺ سے جوڑتے تھے اور ان کے نزدیک سنت کا مفہوم اس لحاظ سے بہت وسیع تھا کہ وہ عام روزمرہ کے معاملات میں بھی آنحضرت ﷺ کا طریقہ تلاش کرتے تھے اور اسی کو سنت سمجھتے تھے، بلکہ آپس کی گفتگو میں لفظ سنت کا اطلاق آنحضرت ﷺ کے ہر جاری کردہ قول و عمل پر کرتے تھے۔ اب غامدی صاحب کو ان تمام روایات کا جائزہ لے کر اپنی اصطلاح میں نظر ثانی کرنی چاہیے۔

خبر واحد کی دینی و تفسیری حیثیت

معاصر فکر کا موقف

"اس پس منظر میں مولانا فراہی نے قرآن مجید کے الفاظ و اسالیب کی دلالت اور مختلف احتمالات میں سے کسی احتمال کی تعیین کے سوال سے بطور خاص اعتنا کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ قرآن کے الفاظ اور تعبیرات قطعی الدلالۃ ہیں جو ایک ہی متعین مراد کی نشان دہی کرتے ہیں اور یہ کہ فہم مدعا کے اس عمل میں قرآن کے اپنے الفاظ، اسالیب، سیاق و سباق، عرف اور نظم کلام فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ اس بنیادی موقف کی روشنی میں مولانا فراہی نے تاویل و تفسیر کے تمام معاون ذرائع، مثلاً احادیث و آثار اور تاریخی روایات پر قرآن کے اپنے الفاظ کی حاکمیت کو ہر حال میں قائم رکھنے کے اصول پر اصرار کیا اور یہ قرار دیا کہ تفسیر و حدیث کے ذخیرے میں موجود ایسی روایات جو قرآن مجید کی آیات کے مطالب یا ان کے پس منظر پر مختلف حوالوں سے روشنی ڈالتی ہیں، وہ تفسیر کے ماخذ کے طور پر بنیادی نہیں، بلکہ ثانوی درجہ رکھتی ہیں اور انھیں قبول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود قرآن کے داخلی نظام اور متن کی اندرونی دلالتوں کی حاکمیت ان پر قائم رکھی جائے۔ مولانا نے اپنے فہم کے مطابق اس معیار پر پورا نہ اترنے والی متعدد تفسیری روایات کو جو اس سے پہلے عام طور پر مستند سمجھی جاتی تھیں، قبول کرنے سے انکار کیا اور ان پر تنقید کی۔" [2]

معاصر تعبیر کا جائزہ

خبر واحد کی تشریعی حیثیت غامدی صاحب کے نزدیک کیا ہے؟ آپ کے شاگرد رشید جناب عمار خان ناصر صاحب تحریر فرماتے ہیں: "غامدی صاحب کے نزدیک اخبار آحاد میں بیان کی جانے والی ہدایات کا قرآن، سنت یا عقل و فطرت میں سے کسی ایک پر مبنی ہونا اور اپنی اصل کے ساتھ اس کے تعلق کا واضح ہونا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے ان

---

[1] ایضا، کتاب الحج، باب نحر الابل مقیدۃ، رقم 1713

[2] عمار خان ناصر، "قرآن و سنت کا باہمی تعلق"، **ماہنامہ الشریعہ**، گوجرانوالہ، مارچ 2020ء، ج 31، ش 3، ص 41-42

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

کا نقطۂ نظر جمہور اصولیین کے مقابلے میں امام شاطبی کے موقف کے قریب تر ہے جو دلیل ظنی کے کسی اصل قطعی کی طرف راجع ہونے کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اصل قطعی کے ساتھ دلیل ظنی کا تعلق واضح ہوئے بغیر علی الاطلاق اخبار آحاد کو واجب الاتباع نہیں سمجھتے۔ اس نکتے کو غامدی صاحب یوں تعبیر کرتے ہیں کہ احادیث سے "... دین میں کسی عقیدہ و عمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا" (میزان ۶۲) اور "... یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے" (ایضاً ۶۲)۔ ان کے نزدیک حدیث دراصل "... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح، آپ کے اسوۂ حسنہ اور دین سے متعلق آپ کی تفہیم و تبیین کے جاننے کا سب سے بڑا اور اہم ترین ذریعہ" (ایضاً ۶۲) ہے۔"[1] غامدی صاحب کے مذکورہ موقف سے یہ بات سامنے آئی کہ ان کے نزدیک حدیث مبارکہ ان کی ذکر کردہ قیود کے ساتھ حجت تو ہے، لیکن اس درجہ کی نہیں کہ اس سے دین میں کسی فکری یا عملی بات کا اضافہ ہو سکے، البتہ تفہیم و تبیین کے لیے خبر واحد کو اہم ترین ذریعہ ضرور سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: "اِس دائرے کے اندر، البتہ اِس کی حجت ہر اُس شخص پر قائم ہو جاتی ہے جو اِس کی صحت پر مطمئن ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا تقریر و تصویب کی حیثیت سے اِسے قبول کر لیتا ہے۔ اِس سے انحراف پھر اُس کے لیے جائز نہیں رہتا، بلکہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ کا کوئی حکم یا فیصلہ اگر اِس میں بیان کیا گیا ہے تو اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔"[2] مولانا حمید الدین فراہی اور جاوید احمد غامدی صاحب کی آراء میں غور کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ حضرات احادیث مبارکہ کی حجیت کے قائل ہیں، بلکہ ان سے استدلال کرنا بھی ان حضرات کی تحریرات میں بکثرت پایا جاتا ہے، البتہ یہ حضرات احادیث مبارکہ کی اس تشریعی حیثیت کے قائل نہیں جس کے جمہور قائل ہیں، لہذا یہ حضرات ان کو تبیین و تفہیم تک محدود سمجھتے ہیں، جبکہ جمہور اہل علم کے نزدیک اخبار صحیحہ سے مستقل احکام بھی ثابت ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حضرات ماخذ تفسیر کے حوالے سے حدیث کو ثانوی درجہ دیتے ہیں، جبکہ جمہور کے نزدیک حدیث ماخذ تفسیر ہونے کے حوالے سے بنیادی ماخذ کی حامل ہے۔

خبر واحد: جمہور کا موقف

جمہور علماء کے نزدیک خبر واحد مستقل دلیل ہے، اور اہم ترین ماخذ تفسیر ہے۔ ذیل میں ہم پہلے خبر واحد کے مستقل طور پر قبول کرنے سے متعلق دلائل قائم کریں گے، اس کے بعد اس کے ماخذ تفسیر ہونے پر صحابہ کرام کے واقعات سے استدلال کریں گے:

امام بخاری کا منہج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اخبار احاد کی حیثیت پر صحیح بخاری میں ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے جس میں انہوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ خبر واحد مکمل و مستقل دلیل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الوَاحِدِ الصَّدُوقِ فِي الأَذَانِ وَالصَّلاَةِ وَالصَّوْمِ وَالفَرَائِضِ وَالأَحْكَامِ. وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {فَلَوْلاَ نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ} [التوبة: 122]، «وَيُسَمَّى الرَّجُلُ طَائِفَةً لِقَوْلِهِ تَعَالَى»: {وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ المُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا} [الحجرات: 9]، «فَلَوِ اقْتَتَلَ رَجُلاَنِ دَخَلَ فِي مَعْنَى الآيَةِ»، وَقَوْلُهُ تَعَالَى: {إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا}، «وَكَيْفَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَرَاءَهُ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ، فَإِنْ سَهَا أَحَدٌ مِنْهُمْ رُدَّ إِلَى السُّنَّةِ»[3]

اذان و نماز اور روزہ اور فرائض واحکام میں سچے آدمی کی خبر واحد کے جائز ہونے کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ پس کیوں نہیں ان کے ہر ایک فرقہ میں سے کچھ لوگ چلتے، تاکہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم ڈرائیں، جب کہ وہ ان لوگوں کے پاس واپس آئیں، شاید کہ وہ لوگ ڈریں، اور ایک آدمی کو بھی طائفہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر مومنین کی دو جماعتیں جنگ کریں چنانچہ اگر دو آدمی جنگ کریں، تو وہ اس آیت کے مفہوم میں داخل ہوں گے، اس لیے کہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو، اور اس امر کا بیان کہ کس طرح نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے امراء یکے بعد دیگرے روانہ فرمائے تاکہ ان میں سے ایک اگر غلطی کرے تو وہ سنت کی طرف پھیر دیا جائے۔ یہ عبارت امام بخاری کے ترجمۃ الباب کی ہے جس میں انہوں نے خبر واحد کی حجیت پر مختلف طرح سے استدلالات قائم فرمائے ہیں، غامدی صاحب حجیت خبر واحد کے تو قائل ہیں، البتہ اس کو مستقل دلیل نہیں سمجھتے، اس لیے ان دلائل میں اسی حوالے سے غور فرمائیں کہ یہ خبر واحد کے مستقل دلیل شرعی ہونے پر دال ہیں: عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي

---

[1] عمار خان ناصر، "قرآن وسنت کا باہمی تعلق"، **ماہنامہ الشریعہ**، گوجرانوالہ، مارچ 2020ء، ج 31، ش 3، ص 54

[2] جاوید احمد غامدی، **میزان**، ص 15

[3] محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب اخبار الآحاد، بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الوَاحِدِ الصَّدُوقِ فِي الأَذَانِ وَالصَّلاَةِ وَالصَّوْمِ وَالفَرَائِضِ وَالأَحْكَامِ۔

بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ[1] حضرت عبداللہ بن عمر (رض)، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ (حضرت بلال) رات رہتے ہی اذان دیدیتے ہیں اس لیے تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیدیں۔

روزہ فرض ہے، اور اس کا دورانیہ متعین ہے، اس دورانیے سے باہر روزہ نہیں ہوگا، اور اس کی خبر حکم شرعی سے بھی متعلق ہوگی، پھر بھی ایک انسان کی خبر کو معتبر قرار دیا جارہا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ، قَالَ: "بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ".[2] حضرت عبداللہ بن عمر (رض) سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ ایک بار لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، کہ اتنے میں ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ آج رات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وحی نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ کعبہ کی طرف رخ کریں، اس لیے تم لوگ کعبہ کی طرف منہ پھیر لو، اس وقت ان لوگوں کا رخ شام کی طرف تھا، چنانچہ لوگ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

نماز کے دوران استقبال قبلہ فرض ہے، اور مسلمان پہلے حکم کے تحت اس پر عمل پیرا تھے، اور بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز کی ادائیگی کر رہے تھے۔ حکم آیا اور اس کی خبر لے کر ایک مسلمان گیا، چنانچہ صحابہ کرام نے نماز کے دوران ہی چہرے دوسری جانب کر لیے۔ یہ ذہن میں رہے کہ ان نماز ادا کرنے والے حضرات نے ابھی تک تبدیلی قبلہ کی آیات آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سماعت نہیں کی تھیں۔ ان کے لیے یہ خبر واحد تھی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: "كُنْتُ أَسْقِيأَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ، وَأَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ، وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ شَرَابًا مِنْ فَضِيخٍ وَهُوَ تَمْرٌ، فَجَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أَنَسُ قُمْ إِلَى هَذِهِ الْجِرَارِ، فَاكْسِرْهَا، قَالَ أَنَسٌ: فَقُمْتُ إِلَى مِهْرَاسٍ لَنَا فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِهِ حَتَّى انْكَسَرَتْ".[3] حضرت انس بن مالک (رض) روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ میں ابوطلحہ (رض) انصاری، ابوعبیدہ بن جراح اور ابی بن کعب کو فضیح یعنی کھجور کی شراب پلا رہا تھا، ان کے پاس آنے والے نے کہا کہ شراب حرام کر دی گئی ہے اس پر ابوطلحہ نے کہا کہ اے انس اٹھ کر ان مٹکوں کے پاس جا اور انھیں توڑ دے، حضرت انس کا بیان ہے کہ میں کھڑا ہوا اور ایک مہر اس میں جو ہمارے ہاں تھا اسے میں نے ان مٹکوں پر مارا یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئے۔

غور فرمائیے کہ شراب کی حرمت کی خبر ایک صاحب نے دی، اور صحابہ نے اس پر عمل فوراً کیا، حالانکہ اس سے پہلے تک شراب کے متعلق قرآن میں بھی جو حکم تھا وہ حرمت کا نہ تھا۔ حلت سے حرمت کی خبر واحد کو قبول کر کے فوراً عمل کرنا یہ خبر واحد کے مستقل دلیل ہونے پر دلالت ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَيْشًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا فَأَوْقَدَ نَارًا وَقَالَ ادْخُلُوهَا فَأَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا وَقَالَ آخَرُونَ إِنَّمَا فَرَرْنَا مِنْهَا فَذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِلَّذِينَ أَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا لَوْ دَخَلُوهَا لَمْ يَزَالُوا فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَقَالَ لِلْآخَرِينَ لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ.[4] حضرت علی (رض) سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر ایک شخص کو امیر مقرر کیا اس نے آگ سلگائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس میں داخل ہو جاؤ، چنانچہ کچھ لوگوں نے اس میں داخل ہونا چاہا اور بعض نے کہا ہم تو آگ سے بچنے کے لیے اسلام لائے ہیں لوگوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ حال بیان کیا تو جن لوگوں نے اس آگ میں داخل ہونا چاہا تھا ان سے آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اس میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس میں رہتے اور دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ گناہ میں اطاعت نہ کرو، اطاعت صرف نیکی میں ہے۔

امیر کی اطاعت کا حکم قرآن مجید میں اولوالامر کے تحت موجود ہے۔ البتہ اس اطاعت کو معروف اور نیکی کے ساتھ مقید کرنا حدیث سے ثابت ہے، اور یہاں پر خبر واحد کو قرآن کے حکم کی تقیید کے لیے خبر واحد کو پیش کیا گیا، جس کو قبول کیا گیا۔ اور متقدمین کی اصطلاح کے مطابق یہ نسخ بھی ہے، بہر حال ایک مستقل حکم پر خبر واحد کو قبول کیا گیا ہے۔

---

[1] محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب اخبار الاحاد، رقم 7248

[2] ایضا، رقم 7251

[3] ایضا، رقم 7253

[4] ایضا، رقم 7257

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ:"بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَعْرَابِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اقْضِ لِي بِكِتَابِ اللَّهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ، فَقَالَ: صَدَقَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، اقْضِ لَهُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأْذَنْ لِي، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْ: فَقَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا وَالْعَسِيفُ الْأَجِيرُ فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي، أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةٍ مِنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ، ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي، أَنَّ عَلَى امْرَأَتِهِ الرَّجْمَ، وَأَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ، أَمَّا الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ فَرُدُّوهَا، وَأَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ لِرَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا، فَغَدَا عَلَيْهَا أُنَيْسٌ فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا"[1].

حضرت ابوہریرہ (رض) روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تھے کہ اعراب میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے واسطے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمادیں پھر اس کا فریق کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس نے ٹھیک کہا ہے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمادیں اور ہمیں عرض کرنے کی اجازت دیں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ بیان کرو اس نے کہا کہ میرا ایک بیٹا اس کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا لوگوں نے کہا کہ میرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا چنانچہ سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر میں نے اس کو چھڑالیا پھر میں نے علم والوں سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کی عورت پر رجم ہے اور میرے بیٹے کو سو درے لگیں گے اور ایک سال کے لیے جلاوطن ہونا پڑے گا تو آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا لونڈی اور بکریاں واپس لے لو اور تمہارے بیٹے کو سو درے لگیں گے اور ایک سال کے لیے جلاوطن ہونا پڑے گا اور تم اے انیس اس کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرلے تو اس کو سنگسار کردو چنانچہ انیس صبح کو اس کی بیوی کے پاس گئے اس نے اقرار کیا تو اس کو سنگسار کردیا۔

اس واقعہ میں مرد کو کوڑے مارنے اور جلاوطنی کی سزا اور عورت کو رجم کرنے کی سزا کا ذکر ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں صرف کوڑے مارنے کی سزا بیان ہوئی ہے، رجم کی سزا نہیں بیان کی گئی۔ جمہور اہل سنت رجم کے سزا کے متعلق یہ موقف رکھتے ہیں کہ یہ شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا ہے اور یہ سنت سے ثابت ہے۔ جبکہ فراہی صاحب، اصلاحی صاحب اور غامدی صاحب اس کو شادی شدہ زانی کی سزا کے طور پر قبول نہیں کرتے، بلکہ آیتِ محاربہ کے تحت شامل کرکے فساد فی الارض کے ساتھ لاحق کرتے ہیں۔ یعنی جو لوگ فساد فی الارض کے مرتکب ہوں ان کے جرم کی سنگینی کی وجہ سے یہ سزا جاری کی جائے گی اگرچہ وہ شادی شدہ زانی ہو یا کوئی اور ہو۔ ملاحظہ فرمائیں:

رجم کی سزا: جدید تعبیر کا جائزہ

"رجم کی روایات بھی اس ضمن کی اہم ترین مثالوں میں سے ہیں۔ جمہور اہل علم اس سزا کا ماخذ سنت کو قرار دیتے ہیں اور قرآن مجید کے ساتھ اس کا تعلق تبیین یا تخصیص اور نسخ کے اصول پر متعین کرتے ہیں۔ تاہم مولانا فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ احادیث میں جلاوطنی یا رجم کی سزا آیت محاربہ پر مبنی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے 'محاربہ' اور 'فساد فی الارض' کے مجرموں کے لیے عبرت ناک طریقے سے قتل کرنے، سولی چڑھانے، ہاتھ پاؤں الٹے کاٹ دینے اور جلاوطن کر دینے کی سزائیں بیان کی ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ شادی شدہ زانی کے لیے بھی اصل سزا سو کوڑے ہی ہے، جبکہ جلاوطنی یا رجم دراصل اوباشی اور آوارہ منشی کی سزا ہے جو 'فساد فی الارض' کے تحت آتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نوعیت کے بعض مجرموں پر زنا کی سزا کے ساتھ ساتھ، سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت کے تحت 'فساد فی الارض' کی پاداش میں جلاوطن کرنے یا سنگسار کرنے کی سزا بھی نافذ کی تھی۔ اس ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد 'الثیب بالثیب جلد مائۃ والرجم' کے بارے میں مولانا اصلاحی کی رائے یہ ہے کہ یہاں حرف 'و' جمع کے لیے نہیں، بلکہ تقسیم کے مفہوم میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زانی کی اصل سزا تو تازیانہ ہی ہے، البتہ آیت محاربہ کے تحت مصلحت کے پہلو سے اسے جلاوطن یا سنگسار بھی کیا جاسکتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح آیت مائدہ کے تحت از روئے مصلحت بعض مجرموں کو جلاوطنی کی سزا دی، اسی طرح بعض سنگین نوعیت کے مجرموں کے شر و فساد سے بچنے کے لیے آیت مائدہ ہی کے تحت انھیں رجم کی سزا بھی دی۔[2]

رجم کے بارے معاصر موقف

"اس توجیہ کے نتیجے میں مولانا کی رائے اس لحاظ سے جمہور سے مختلف ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک سنگسار کرنے کی علت مجرم کا شادی شدہ ہونا نہیں، بلکہ اوباش، آوارہ منش اور عادی زانی ہونا قرار پاتا ہے، چنانچہ جیسے محض زانی کے شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اسے رجم کرنا ضروری نہیں ٹھہرتا، اسی طرح کسی کنوارے زانی کو بھی اس کے

---

[1] ایضا، رقم، 7206

[2] عمار خان ناصر، "قرآن وسنت کا باہمی تعلق"، **ماہنامہ الشریعہ**، گوجرانوالہ، مارچ 2020ء، ج 31، ش 5، ص 62-63 (بحوالہ: (تدبر قرآن، ۵/ ۳۶۹-۳۶۷)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

جرم کی سنگینی کے پیش نظر رجم کیا جا سکتا ہے اور، مثال کے طور پر، "مجرم اگر زنا بالجبر کا ارتکاب کرے یا بدکاری کو پیشہ بنالے یا کھلم کھلا اوباشی پر اتر آئے یا اپنی آوارہ منشی، بدمعاشی اور جنسی بے راہ روی کی بنا پر شریفوں کی عزت وناموس کے لیے خطرہ بن جائے یا مردہ عورتوں کی نعشیں قبروں سے نکال کر ان سے بدکاری کا مرتکب ہو یا اپنی دولت واقتدار کے نشے میں غربا کی بہو بیٹیوں کو سربازار برہنہ کرے یا کم سن بچیاں بھی اس کی درندگی سے محفوظ نہ رہیں تو مائدہ کی اس آیت محاربہ کی رو سے اسے رجم کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔"[1]

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فراہی اور غامدی مکتب فکر کے نزدیک رجم کی سزا کا تعلق اصلا فساد فی الارض کے ساتھ ہے، اس لیے کہ وہ انتہائی سنگین جرائم ہیں، تو سنگینی کو دیکھتے ہوئے یہ سزائیں جاری کی جائیں گی۔ ہمارے یہاں پر غامدی مکتبِ فکر سے دو سوال ہیں:

پہلا سوال: یہ ہے کہ شادی شدہ ہوتے ہوئے بدکاری کرنا اور اللہ کی حدود کو پامال کرنے کی سنگینی آپ کی نظر میں کم ہے؟ جبکہ اس کے پاس جائز راستہ موجود ہے؟

دوسرا سوال: یہ ہے کہ آپ کے نزدیک رجم کی سزا اصلا سنگین نوعیت کے مجرموں کے لیے ہے۔ تو شادی شدہ کو رجم کرنے کے وہ کون سے واقعات ہیں جن میں شادی شدہ ہونے کے علاوہ کوئی اور سنگین نوعیت کا جرم تلاش کرنے کے لیے مجرم سے پوچھ گچھ کی گئی ہو، اور اس جرم کی بناء پر سزا کا اجراء ہوا ہو؟ جبکہ مذکورہ روایت میں اس کا کہیں اشارہ نہیں ملتا، اسی طرح آپ ان تمام روایات کا بغور مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ دورِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں جتنے اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں، ان میں سے کتنوں میں فساد فی الارض اور سرکشی کی وجہ کو تلاش کر کے رجم کیا گیا؟

اس لیے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رجم کی سزا کو بغیر کسی مضبوط قرینہ کے آیت محاربہ کے تحت داخل کر کے کھینچا تانی کی گئی ہے، جبکہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی لیے ان تمام روایات کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے جو رجم کے سلسلے میں مضبوط دلیلیں ہیں۔

خبر واحد بطور ماخذ تفسیر؛ دلائل وبراہین

ذیل میں چند ایسے دلائل پیش کیے جائیں گے جو اس بات پر دال ہوں گے کہ صحابہ کرام نے اشکال ہونے کے باوجود آیتِ قرآنی کی اس تفسیر کو قبول کیا جو خبر واحد سے ثابت ہوئی۔ چنانچہ یہ بدیہی بات ہوتی تھی کہ کتاب اللہ کے معنی ومراد کو سمجھنے اور اس کی تشریح وتوضیح میں آپ ہی کے ارشاد یا عمل کو صحابہ کی نظر میں حتمی اور فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو۔ چنانچہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ: ورسول الله صلى الله عليه وسلم بين اظهرنا، عليه ينزل القرآن وهو يعرف تاويله، وما عمل به من شيءعملنا به[2] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے۔ آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ ہی اس کی مراد کو (سب سے بہتر) جانتے تھے، چنانچہ آپ جو بھی عمل کرتے، ہم بھی وہی کرتے تھے"

یعنی قرآن مجید کا حکم سمجھ کر آنحضرت ﷺ جو بھی عمل کرتے تھے ہم بھی اسی کے مطابق عمل شروع کر دیتے تھے، معلوم ہوا صحابہ کرام حتمی طور پر آپ ﷺ کی تفسیر کو ہی فیصلہ کن سمجھتے تھے۔

أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَتْ لاَ تَسْمَعُ شَيْئًا لاَ تَعْرِفُهُ، إِلَّا رَاجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ، وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ» قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ أَوَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: {فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا} [الانشقاق: 8] قَالَتْ: فَقَالَ: " إِنَّمَا ذَلِكِ العَرْضُ، وَلَكِنْ: مَنْ نُوقِشَ الحِسَابَ يَهْلِكْ "[3] بیشک آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی کوئی بات نہیں سنتی تھیں کہ جس کے متعلق جانتی نہ ہوں مگر اس کے بارے میں آپ ﷺ کی طرف رجوع کرتی تھیں یہاں تک کہ اس سے واقف ہو جاتی تھیں۔ (ایک موقع پر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے حساب لیا گیا اسے لازماً عذاب ہو گا۔، ام المومنین عائشہ بیان کرتی ہیں، میں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کے بارے میں نہیں فرمایا کہ: فَسَوفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيرًا (الانشقاق ۸:۸۴) "ان سے آسان حساب لیا جائے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تو محض سرسری پوچھ گچھ ہو گی۔ لیکن جس سے حساب لیتے ہوئے چھان بین کی گئی، وہ مارا گیا۔"

---

[1] حوالہ سابقہ، ص 63، بحوالہ (برہان، ص ۹۱؛ نیز میزان، ص 40، 41)

[2] احمد بن حنبل، **مسند احمد**، مسند جابر بن عبد اللہ، رقم ۱۴۴۴۰

[3] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب العلم، باب من سمع شیئا فراجعہ حتی یعرفہ، رقم ۱۰۳

یہ روایت اس لحاظ سے بہت فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا ہر بات میں جو ان کو معلوم نہیں ہوتی تھی آنحضرت ﷺ سے رجوع کرتی تھی۔ جب آپ کا یہ حال تھا باوجو دیکہ صحابہ کرام میں آپ بڑے درجے کی مفسرہ اور فقیہہ ہیں تو اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ باقی صحابہ کرام کس درجہ تک تفسیر میں آپ ﷺ کے اقوال کو حتمی تصور فرماتے تھے۔ اور اپنی سمجھ بوجھ پر مقدم رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور جمہور صحابہ واہل علم کے تعامل سے وضو کا طریقہ یہی ثابت ہے کہ چہرے اور بازووں کے ساتھ ساتھ پاؤں کو بھی دھویا جائے۔ تاہم قرآن مجید میں وضو کا حکم بیان کرتے ہوئے سورہ مائدہ کی آیت ٦ میں ہے "فَاغسِلُوا وُجُوہَکُم وَایدِیَکُم إِلَی المَرَافِقِ وَامسَحُوا بِرُءوسِکُم وَاَرجُلَکُم إِلَی الکَعبَینِ[1]"

یہاں بادی النظر میں پاؤں کا ذکر سر کے مسح کے ساتھ ہوا ہے جس سے ذہن کا اس طرف جانا ممکن ہے کہ پاوں کا حکم بھی وہی ہے جو سر کا ہے۔ اس تناظر میں صحابہ وتابعین کی ایک جماعت کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ وہ وضو میں اصل حکم اس کو سمجھتے تھے کہ پاوں پر صرف مسح کر لیا جائے۔ چنانچہ ربیع بیان کرتی ہیں کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میرے پاس آئے اور مجھ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا جس میں ربیع نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے پاووں کو دھویا۔ ابن عباس رضی اللہ عنھمانے کہا کہ: ان الناس ابوا الا الغسل ولا اجد فی کتاب الله الا المسح[2]"لوگ پاؤں کے دھوئے بغیر نہیں رہتے، لیکن مجھے کتاب اللہ میں صرف مسح کرنے کا حکم ملتا ہے"

یہی اشکال اور بھی حضرات کو تھا، تاہم جمہور صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر سنت کی روشنی میں پاوں دھونے ہی کو وضو کے مشروع کے طریقے کے طور پر قبول کیا اور اسی کی روشنی میں قرآن کی آیت میں 'وار جلکم' کو حکم کے اعتبار سے 'وامسحوا' کے بجائے 'فاغسلوا' کے ساتھ متعلق قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی عقل اور سمجھ سے قرآن کا جو مطلب ومفہوم ذہن میں آئے، اگر سنت میں اس کے علاوہ ہو تو اسی کو لینا ضروری ہے، اور خود کو غلطی پر محمول کیا جائے گا۔ تو تمام روایات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام تفسیر میں حدیث کو حتمی ماخذ تسلیم کرتے تھے۔

نظم قرآن اور لغتِ عرب

ڈاکٹر حافظ انس نضر، فراہی اور اصلاحی اصول تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں: مولانا فراہی تفسیر کے لسانی ماخذ کے تحت فرماتے ہیں: "جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ کیا ہے وہ متن قرآن کی، حفاظت کرے گا "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَه لَحٰفِظُوْنَ[3]" ہے: اسی طرح اس کی تشریح وبیان کا بھی وعدہ فرمایا ہے ثم ان علینا بیانه[4] چنانچہ اسی وعدہ کا ایفاء ہے کہ اللہ نے عربی زبان کو ایک زندہ اور قائم زبان بنا دیا ہے اور اس کو مٹنے سے محفوظ رکھا ہے۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ پہلا اصول یہ ہے کہ تفسیر کا ماخذ اول اس زبان کو بنایا جائے جس میں قرآن مجید اترا ہے۔ مراد عام عربی زبان نہیں جو آجکل بولی سمجھی جاتی ہے، بلکہ اس سے مراد امرؤالقیس، لبید، زہیر، عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ وغیرہ اور عرب کے خطباء جاہلیت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔[5] حمید الدین فراہی صاحب عربی معلی کو تفسیر کے بنیادی اصولوں میں اور ان کے شاگرد امین احسن اصلاحی صاحب تفسیر کا ماخذ اول ہی عربی معلی کو فرمارہے ہیں۔ جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے بھی مبادی تدبر قرآن میں سب سے پہلے عربی معلی ہی کو رکھا ہے[6]۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قدیم عربی زبان بھی تفسیر کے حوالے سے اہمیت رکھتی ہے، اور جمہور اہل علم نے بھی اس کو ماخذ تفسیر کے حوالے سے ذکر کیا ہے، لیکن کسی نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ ماخذ تفسیر قرآن میں سب سے بنیادی اہمیت ہی لغت کو حاصل ہو گی۔ بلکہ اس کا درجہ احادیث مبارکہ کے بعد ہے۔

اصل محلِ اختلاف

---

[1] سورہ مائدہ، 6:5

[2] محمد بن یزید، **سنن ابن ماجہ**، کتاب الطہارۃ وسننہا، باب ماجاء فی غسل القدمین، رقم 458

[3] سورہ الحجر، 9:15

[4] سورہ القیامہ، 19:75

[5] حافظ انس نضر، **حمید الدین فراہی اور جمہور کے اصول تفسیر**، مقالہ پی ایچ ڈی، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ص 13، 14 مقدمہ

[6] جاوید احمد غامدی، **میزان**، ص 15

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ جمہور اور مکتب فراہی وغامدی کے درمیان اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ احادیث مبارکہ اور عربی لغت یا عربی معلی کا ماخذ تفسیر ہونے میں کیا درجہ اور مقام ہے؟ جمہور کے نزدیک بنیادی حیثیت احادیث مبارکہ کو حاصل ہے، جبکہ ان حضرات کے ہاں بنیادی ماخذ تفسیر عربی معلی ہے۔ اگر اس محلِ اختلاف کو متعین کرکے تحقیق کی جائے تو ہماری نظر میں اس کی ذیلی بحثوں میں گفتگو کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ یعنی خبر واحد قرآن کی تبیین، تخصیص یا تنسیخ کرسکتی ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ ان ابحاث میں ان حضرات کے اقوال جمہور اہل سنت میں سے کسی نہ کسی عالم کے مطابق ہوسکتے ہیں۔ جیسے حدیث مبارکہ قرآن مجید کے لیے ناسخ ہے یا نہیں؟ غامدی و فراہی مکتب فکر کے نزدیک جواب "نہیں" میں ہے۔ اگر ہم جائزہ لیں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک بھی اس حوالے سے یہی ہے کہ حدیث مبارکہ قرآن مجید کے لیے ناسخ نہیں ہوسکتی۔ لہذا یہ تمام ابحاث ذیلی ہیں۔ اسی لیے غامدی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ میرا مسلک اسلاف سے بالکل بھی مختلف نہیں ہے۔ لہذا گذارش یہ ہے کہ محل اختلاف کو پہلے متعین کیا جائے، پھر اس پر دلائل قائم کیے جائیں۔ اور ہماری نظر میں محل اختلاف یہ بات ہے کہ احادیث مبارکہ ماخذ تفسیر ہونے کے حوالے سے کس درجہ پر ہوں گی اور عربی معلی کس درجہ پر۔

جمہور کا منہجِ تفسیر

ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں:"سب سے پہلا اور اہم ترین اور مستند ترین ماخذ تو خود قرآن مجید تھا۔ دوسرا ماخذ احادیث رسول (ﷺ) تھیں جن کے براہ راست مخاطبین خود صحابہ کرام تھے اور جن کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے معانی و مطالب اور وحی الٰہی کے اسرار و رموز ان پر واضح کیے تھے۔"[1]

محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں:المصدر الثانى - النبى صلى الله عليه وسلم:المصدر الثانى الذى كان يرجع إليه الصحابة فى تفسيرهم لكتاب الله تعالى هو رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكان الواحد منهم إذا أشكلت عليه آية من كتاب الله، رجع إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى تفسيرها، فيبين له ما خفى عليه، لأن وظيفته البيان[2]" دوسرا مصدر، نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ یعنی دوسرا مصدر جس کی طرف صحابہ کرام کتاب اللہ کی تفسیر کے سلسلے میں رجوع کرتے تھے وہ اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ لہذا جب ان میں سے کسی ایک کو کسی آیت قرآنیہ میں مشکل پیش آتی تو اس کی تفسیر کے لیے اللہ کے رسول ﷺ سے رجوع کرتا، تو آپ ﷺ اس پر وہ معنی کھول دیتے جو مخفی تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی کتاب اللہ کی وضاحت کرنا۔

مولانا یوسف بنوری لکھتے ہیں: بہرحال قرآن کریم کی سب سے اہم اور معتبر تفسیر وہ ہے جو نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے اور راستے پر غور کرکے اس کی روشنی میں لکھی گئی ہو، خواہ وہ آپ کا قول و عمل ہو یا اشارہ و دلالت...... آج کل بہت سے ہم عصر اہل علم کو دیکھتا ہوں کہ جب وہ قرآن پاک کی تفسیر بیان کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ احادیث و آثار سے وہ بے نیاز ہیں اور محض لغت و تاریخ پر اعتماد کرکے، سنت اور اجماع امت سے آنکھیں بند کرکے صرفِ نظر کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں بلکہ ان کی قدر و منزلت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے بارے میں اپنی حوس و خواہش کے پیش نظر جو چاہتے ہیں کہتے پھرتے ہیں، جہاں احادیث و آثار ان کی رائے کے خلاف ہوں وہاں ان کو پسِ پشت ڈال کر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں یہی الحاد و زندیقیت کا پہلا دروازہ ہے۔[3]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:فَإِنْ أَعْيَاهُ ذَلِكَ طَلَبَهُ مِنَ السُّنَّةِ فَإِنَّهَا شَارِحَةٌ لِلْقُرْآنِ وَمُوَضِّحَةٌ لَهُ وَقَدْ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كُلُّ مَا حَكَمَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ مِمَّا فَهِمَهُ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ تَعَالَى: {إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ}[4]، اگر یہ بات تھکا دے (قرآن میں نہ ملے) تو اس کو سنت سے تلاش کرے، اس لیے کہ سنت قرآن کی تشریح اور وضاحت کرتی ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول للہ ﷺ نے جو بھی فیصلہ فرمایا وہ درحقیقت وہی ہے جو آپ نے قرآن مجید سے سمجھا۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: بیشک ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری حق کے ساتھ تاکہ آپ لوگوں میں فیصلہ کریں اس سے جو اللہ نے آپ کو سمجھائی۔

---

[1] محمود احمد غازی، **محاضرات قرآنی** (لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب)، ص168

[2] محمد حسین ذھبی، **التفسیر والمفسرون** (قاہرہ، مکتبہ وھبیہ)، ج1، ص36

[3] یوسف بنوری، **یتیمۃ البیان**، مترجم: سلمان بنوری (کراچی، مکتبہ بینات)، ص58، 68

[4] علامہ سیوطی، **الاتقان فی علوم القرآن** (المکتبۃ الشاملۃ)، ج4، ص200

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

مذکورہ بالا تمام دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہور اہل سنت اہل علم قرآن مجید کے بعد سب سے اہم ماخذِ تفسیر آپ ﷺ کی احادیث ہی کو قرار دیتے ہیں اور لغت عربیہ کو ثانوی درجے کا ماخذ خیال کرتے ہیں۔ اور احادیث کو ثانوی درجہ دے کر محض لغت وغیرہ پر اعتماد کرنے کو گمراہی اور کجروی سمجھتے ہیں۔

بنیادی ماخذ تفسیر: حدیث یا لغت؟

احادیث مبارکہ اور عربی معلی میں سے ماخذ تفسیر ہونے کے حوالے سے بنیادی حیثیت کس کو حاصل ہوگی؟ دونوں طرح کے موقف آپ کے سامنے ہیں۔ اب ہم قرآن مجید کی آیات اور احادیث مبارکہ سے یہ ثابت کریں گے کہ بنیادی حیثیت آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال ہی کو حاصل ہے۔ چنانچہ سورہ نحل میں ارشاد ہے:وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [1] اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کر دو جو ان کے لیے اتاری گئی ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ آپ ؐ کا مقصد بعثت یہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے قرآن کریم کی توضیح فرمائیں، نیز ارشاد ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [2] حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انھیں پاک صاف بنائے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔

سورہ نساء میں ارشاد ہے:اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭوَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا [3] بیشک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لیے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھا دیا ہے، اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو۔

ان آیات میں خود قرآن کریم نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ ؐ دنیا کو قرآن کریم کی ہدایات اور اس اسرار و معارف سے آگاہ کریں، اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقے سکھلائیں، اس لئے خود قرآن کریم ہی سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ ؐ ﷺ کی تعلیمات تفسیر قرآن کا اہم ترین مآخذ ہیں۔ چنانچہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:ورسول الله صلى الله عليه وسلم بين اظهرنا، عليه ينزل القرآن وهو يعرف تاويله، وما عمل به من شيءعملنا به [4] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے۔ آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ ہی اس کی مراد کو (سب سے بہتر) جانتے تھے، چنانچہ آپ جو بھی عمل کرتے، ہم بھی وہی کرتے تھے"

یعنی قرآن مجید کا حکم سمجھ کر آنحضرت ﷺ جو بھی عمل کرتے تھے ہم بھی اسی کے مطابق عمل شروع کر دیتے تھے، معلوم ہوا اصحابہ کرام حتمی طور پر آپ ﷺ کی تفسیر کو ہی فیصلہ کن سمجھتے تھے۔

أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَتْ لاَ تَسْمَعُ شَيْئًا لاَ تَعْرِفُهُ، إِلَّا رَاجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ، وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ» قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ أَوَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: {فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا} [الانشقاق: 8] قَالَتْ: فَقَالَ: " إِنَّمَا ذَلِكِ العَرْضُ، وَلَكِنْ: مَنْ نُوقِشَ الحِسَابَ يَهْلِكْ [5] "بیشک آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی کوئی بات نہیں سنتی تھیں کہ جس کے متعلق جانتی نہ ہوں مگر اس کے بارے میں آپ ﷺ کی طرف رجوع کرتی تھیں یہاں تک کہ اس سے واقف ہو جاتی تھیں۔ (ایک موقع پر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے حساب لیا گیا اسے لازماً عذاب ہوگا۔، ام المومنین عائشہ بیان کرتی ہیں، میں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کے بارے میں نہیں فرمایا کہ: فَسَوفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيرًا (الانشقاق ۸:۴۸)"ان سے آسان حساب لیا جائے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"یہ تو محض سرسری پوچھ گچھ ہوگی۔ لیکن جس سے حساب لیتے ہوئے چھان بین کی گئی، وہ مارا گیا۔"

---

[1] النحل،44:16

[2] آل عمران،164:3

[3] النساء،105:4

[4] احمد بن حنبل، **مسند احمد**، مسند جابر بن عبد اللہ، رقم 14440

[5] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب العلم، باب من سمع شیئا فراجعہ حتی یعرفہ، رقم 103

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

یہ روایت اس لحاظ سے بہت فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر بات میں جو ان کو معلوم نہیں ہوتی تھی آنحضرت ﷺ سے رجوع کرتی تھی۔ جب آپ کا یہ حال تھا باوجودیکہ صحابہ کرام میں آپ بڑے درجے کی مفسرہ اور فقیہہ ہیں تو اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ باقی صحابہ کرام کس درجہ تک تفسیر میں آپ ﷺ کے اقوال کو حتمی تصور فرماتے تھے۔ اور اپنی سمجھ بوجھ پر مقدم رکھتے تھے۔

معاصر افکار کا تنقیدی تجزیہ

جب آیات واحادیث و آثارِ صحابہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بنیادی ماخذ تفسیر حدیث ہے نہ کہ عربی معلی۔ تو اب ہم عرض کرتے ہیں کہ احادیث مبارکہ کو دوسرا درجہ دینے یا پیچھے کرنے کی آخر وجہ ہے کیا؟؟؟

اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی یہ حیثیت ہی نہیں کہ وہ اس باب میں حجت ہوں تو یہ بات تو بداہتاً غلط اور گمراہی ہے۔ اس بات کے تو خود فراہی اور غامدی مکاتبِ فکر بھی قائل نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حجت تو ہیں لیکن مضبوط اور قابل اعتماد ذرائع سے ہم تک نہیں پہنچیں، تو یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ بابِ اول میں اس کو ثابت کر دیا گیا ہے۔ اور یہ حضرات اس کے بھی قائل نہیں ہیں کہ احادیث ہم تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں۔ بلکہ صحیح احادیث کو وہ بھی مانتے ہیں اور ان سے استدلال بھی دینی مسائل میں کرتے رہتے ہیں۔

اب شاید غامدی صاحب کے پہلے دعوی کی طرف رجوع کرنا پڑے کہ: "دین قطعی ہے لہذا اس کے ثبوت کے لیے قطعی ماخذ کی ضرورت ہے"۔ تو اس کے متعلق بھی تفصیل آچکی ہے کہ دین کے اصولی احکام قطعی ہیں اور ان کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہو گی البتہ فروعی مسائل ظنی بھی ہو سکتے ہیں، اور ان کے ثبوت کے لیے ظنی دلیل بھی کافی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ غامدی صاحب کو اس سے بھی اختلاف نہ ہو (اگرچہ یہ ان کے دعوی میں تضاد لگتا ہے)۔ تو ایک ہی بات رہ جاتی ہے جس میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ ماخذ تفسیر ہونے میں عربی معلی کو ترجیح حاصل ہو حدیث مبارکہ پر۔ لیکن اس کے لیے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ عربی معلی ماخذ قطعی ہے اور احادیث ظنی ماخذ ہیں۔ لیکن یہ اس وجہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے کہ نظمِ قرآن کے قطعی ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں، البتہ اس سے جو معنی و مفہوم آپ نے سمجھا ہے کیا وہ بھی بالکل قطعی درجہ رکھے گا؟ تو یہ بات درست نہیں ہے، اس لیے کہ لسان کی مدد سے آپ نے جو سمجھا وہ بھی ظنی درجے کا ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اہل لسان ہونے اور فصاحت و بلاغت کے اعلی مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود، عربی معلی کے تمام طبقات و لغات سے واقف ہونے کے باوجود اپنے فہم کو قطعی قرار نہیں دیتے تھے بلکہ حدیث مبارکہ کے سامنے آنے کے بعد فوراً اپنی سمجھ کو چھوڑ دیتے تھے۔ جب عربی معلی کے ہمعصر، فصاحت و بلاغت میں بے مثل افراد، نظمِ قرآن سے اپنی عقل کے ساتھ سمجھی ہوئی بات کو قطعی نہیں سمجھتے تھے تو آج کیونکر اس بات کا دعوی کیا جا سکتا ہے؟

عقل و نقل کا توازن

سابقہ ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ متذکرہ بالا مکاتب فکر عقلیت پرستی کے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہیں۔ لیکن غلط فہمی سے اپنی عقل کے ماحصل کو نظمِ قرآن کا حقیقی مدلول مراد لے کر قطعی سمجھ بیٹھے ہیں، اس لیے احادیث مبارکہ کو ظنی سمجھ کر درجہ ثانوی میں جگہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ غور و فکر کے بعد وہ جس نتیجے تک پہنچے ہیں وہ نظمِ قرآن نہیں بلکہ ان کی اپنی فہم کا نتیجہ ہے، اور یہ نتیجہ ظنی ہی ہے، نہ کہ قطعی۔ لہذا اس کو احادیث پر کبھی بھی فوقیت نہیں دی جا سکتی۔ اس بات کو سمجھ کر ٹھیک کر لیں تو تمام گتھیاں سلجھ جائیں گی۔

حدیث کی ثانوی حیثیت کے نتائج

احادیث مبارکہ کو تفسیر کا ثانوی ماخذ ماننے اور عربی معلی (عقل) کو ترجیح دینے کے رجحان سے خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. سب سے خطرناک نتیجہ جو بقیہ نتائج کی اساس ہے وہ یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کی اہمیت میں کمی ہوتی ہے اور بالآخر بہت سی احادیث کے صحیح ہونے کے باوجود ان کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

2. اس فکر کے نتیجے میں چونکہ حدیث کی ترجیح اور صحت وضعف کے اصول بھی تبدیل ہوں گے، کیونکہ جمہور کے نزدیک اگر حدیث صحت کے تمام معیارات پر پورا اترتی ہے تو اس کو قبول کرنا ضروری ہو گا، لیکن یہاں پر ایسی صحیح حدیث بھی اگر عربی معلی اور عقل کی مدد سے طے کردہ اصول کے خلاف معلوم ہو گی تو وہ رد کر دی جائے گی، اگرچہ وہ صحیح بخاری جیسی کتاب میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگرچہ وہ اب تک عمل میں ہی کیوں نہ رہی ہو۔ نتیجتاً حدیث کے قبول و عدم قبول کے سلسلے میں خیر القرون سے

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

لے کر اب تک ہونے والے تمام کام پر پانی پھر جائے گا، اور وہ بالکل بے معنی ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مکتب فکر کے بعض حضرات بے باکانہ اور گستاخانہ انداز میں صحیح حدیث اور ان کے راویوں پر جرح کرتے ہوئے ان کو کذاب اور دجال تک کے الفاظ سے نوازتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

3. خیر القرون سے لے کر اس فکر کے ارتقاء تک کے درمیانی عرصہ (جو صدیوں پر محیط ہے) کے بارمیں یہ ماننالازم آئے گا کہ بہت سے اصولی مسائل میں امت من حیث الامت گمراہی اور کجروی کا شکار رہی۔ حالانکہ یہ بات خود ان کے اپنے اصول (عقل عام والے) کے خلاف ہے۔

4. اس فکر کے نتیجے میں بہت سے متفقہ مسائل میں جمہور کے بلکہ بعض مسائل میں اجماع امت کے خلاف رائے قائم کرنا پڑے گی۔

5. مذکورہ بالا نتائج کی روسے متفقہ گمراہ فرقوں (خوارج، معتزلہ) سے ان کی مشابہت ہو جائے گی۔

جدید اعتزال کا تنقیدی مطالعہ

متذکرہ بالا مکتب فکر کے افراد کی مشابہت معتزلہ وخوارج کے ساتھ پائی جارہی ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی نظم قرآن کے ظاہری معنی پر اصرار کرتے تھے، اُس کے مقابلے میں آنے والی احادیث مبارکہ کو قابل عمل نہیں گردانتے تھے، اور یہ حضرات بھی نظم قرآن میں ذرا گہرائی کے ساتھ غور کر کے، اپنی فہم کے ماحاصل پر مصر ہیں، یا اپنی عقل کے ذریعے کسی معنی و مفہوم کو متعین کر کے قرآن مجید کے الفاظ کو اس پر ڈھالنے اور زبردستی منطبق کرنے کو کوشش کرتے ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں آنے والی روایات کو کمالِ بہادری سے رد کر دیتے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنے الگ اصول متعین کر لیے تھے، اور ان حضرات کی کتابوں میں دیکھیں تو الگ تعبیرات و اصول ملیں گے۔ وہ لوگ ایک انتہاء پر پہنچے کہ مسلمانوں کو بھی اسلام سے خارج کر دیا، یہ حضرات دوسری انتہاء پر ہیں کہ کافر کو بھی کافر نہیں مانتے۔ اُن لوگوں نے دین کی بہت سی آسان چیزوں کو مشکل بنا کر اسلام کی اصل صورت کو مسخ کرنے کی جسارت کی، اور یہ لوگ بہت سے اسلامی احکام کو اسلام کا حکم نہ مان کر، عملی اعتبار سے اس کی اصل صورت کو دھندلا کرنے کی سعی میں مصروف ہیں۔ وہ لوگ اپنی عقل و سمجھ کے ماحصل کو اللہ کا اصل حکم سمجھتے تھے، یہ حضرات بھی اپنی عقل کی اختراع کو نظمِ قرآن کا متعین و یقینی مدلول سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے بندہ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اعتزال ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

خلاصہ

اسلامی علوم میں حدیثِ نبوی ﷺ کی حیثیت بطورِ ماخذِ دین اور ماخذِ تفسیر ہمیشہ بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ عصرِ حاضر میں بعض معاصر فکری رجحانات نے ماخذِ دین، سنت، خبرِ واحد، نظمِ قرآن اور لغتِ عرب کی بنیاد پر حدیث کی حجیت اور اس کے دائرۂ استدلال سے متعلق نئی تعبیرات پیش کی ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ انہی افکار کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے، تاہم یہاں "معاصر افکار" سے مراد صرف فراہی مکتبِ فکر اور اس کے نمایاں نمائندوں، خصوصاً مولانا حمید الدین فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی کی آراء ہیں۔ اس مقالے میں ماخذِ دین کے تصور، سنت کی تعریف، خبرِ واحد کی دینی و تفسیری حیثیت، رجم کی سزا، نظمِ قرآن، لغتِ عرب اور حدیث کے باہمی تعلق کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ مزید برآں قرآنِ مجید، احادیثِ صحیحہ، آثارِ صحابہ اور جمہور اہلِ سنت کے موقف کی روشنی میں ان آراء کا تقابلی و تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے۔ تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ حدیثِ نبوی ﷺ کو ماخذِ دین اور ماخذِ تفسیر کی حیثیت سے محدود کرنے کی یہ تعبیرات جمہور امت کے متوارث علمی منہج سے ہم آہنگ نہیں، بلکہ متعدد اصولی اور عملی اشکالات کو جنم دیتی ہیں۔